خطاب مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
ضبط و ترتیب : مولانا حامد الحق حقانی

موت العَالِمْ موت العَالَمْ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال کی خبر جوں ہی دارالعلوم حقانیہ میں پہنچی۔ تو یہاں پر غم واندوہ کی ایک طوفانی لہر دوڑ گئی اور دوسرے دن یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو نماز ظہر کے بعد آپکی روح کو ایصالِ ثواب کیلئے ختمات قرآن پاک اور تعزیتی اجتماع کا اہتمام کیا گیا۔ اسکے بعد درد و کرب میں ڈوبے ہوئے اجتماع سے حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے انکی شخصیت سوانح و کردار پر مختصر (پشتو) خطاب فرمایا۔ جس کو آپ کے فرزند اکبر مولانا حامد الحق حقانی ٹیپ ریکارڈر سے ضبط کر کے قارئین الحق کی نذر کر رہے ہیں۔ .... (ادارہ)

میرے معزز علماء کرام اور طلباء عظام!

آج کے ختم قرآن کا مقصد ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (علی میاں) کی وفات پر انکو ایصال ثواب بخشوانا مقصود ہے جو علمی دنیا کیلئے عظیم سانحہ ہے۔ آپ عالم اسلام کے عظیم المرتبت اور جید عالم دین تھے۔ آپ صرف ایک جید عالم ہی نہیں بلکہ داعی اسلام اور عالم اسلام کے عظیم مفکر اور برصغیر کے بلند پایہ اکابرین کی آخری نشانی تھے۔ وہ کل ہندوستان کے شہر رائے بریلی میں اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ آپ میں اکثر طلباء انکے اصل مقام اور شخصیت سے شاید پورے طور پر واقف نہ ہوں لیکن جو بڑے علماء اکابر ہیں وہ انکی خدمات سے بخوبی واقف ہیں۔ اور وہ سب حضرات اس عظیم سانحہ اور صدمہ کو پوری امت کیلئے عظیم الشان نقصان سمجھتے ہیں۔ آپ ایک ایسے عالم اور مبلغ تھے جن کا پوری امت کے ساتھ تعلق رہا۔ اگرچہ لسانی لحاظ سے وہ ہندوستان کے باشندہ تھے لیکن اقوام عرب کے قلوب میں بھی محبوب تھے۔

عرب کے تمام علماء مورخین، مفکرین، دانشور اور اخبارات کے مدیران حضرت کو استاد کا درجہ دیا کرتے تھے۔ آپکو وہ الداعی الکبیر کہا کرتے تھے کہ آپ عالم اسلام کے سب سے بڑے داعی ہیں۔ اردو زبان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان پر ایسا عبور دے رکھا تھا کہ عرب

بھی انکی طرح فصیح اور بلیغ عربی نہیں لکھ سکتے تھے۔ آج وہ عرب حضرات حضرتؒ کی عربی سے استفادہ کرتے ہیں۔ ابھی آپ جوان تھے کہ جامعہ الازہر وغیرہ کے بڑے بڑے مشائخ نے آپکی بڑی بڑی کتب مطالعہ کیں تو انہوں نے آپکے بارے میں رائے دی کہ یہ تو عجیب اور نادر کتب کے مصنف ہیں۔ اسی طرح حضرت نے عربوں کیساتھ ساتھ یورپ کے لوگوں کو بھی اپنا پیغام پہنچادیا اللہ تعالیٰ نے حضرت کو یہ محبوبیت اور مقبولیت بخشی تاکہ سارے عالم میں اسلام کی ترجمانی اور دعوت اللہ تعالیٰ انکے ذریعے پھیلانا چاہتے تھے۔ وہ سب کو واضح اور دوٹوک پیغام دیا کرتے تھے' عربوں میں گئے جہاں شاہ فیصل' شاہ خالد' شاہ فہد جیسے بادشاہ مصر کے حکمران اور اردن امارات کے حکام انکی مجالس میں موجود ہوتے تھے۔ "اسمعها صریحةً منّی ایها العرب" جیسے خطبات اس کی واضح مثالیں ہیں۔ غرض اللہ تعالیٰ نے انکو کلام حکمت اور انداز اور گفتار کا طریقہ عجیب عطا فرمایا تھا۔ کہ ہر انسان عام و خاص کے دل پر اثر انداز ہوتا تھا۔ اور اب عمر کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے ان پر امریکہ اور یورپ کے مزید دروازے بھی کھول دیئے تھے۔ وہ وہاں کی یونیورسٹیز اور کالجز میں بھی اسلام کا پیغام پہنچاتے رہے۔ گویا کہ آپ ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ زمانہ جدید میں قحط الرجال ہے۔ ایک فرد بہت بڑا جید' مدرس ہوگا ضخیم کتب کی شروح پر عبور ہوگا لیکن وہ داعی نہ ہوگا۔ بڑا مصنف ہوگا تو انہیں فنِ تقریر پر عبور حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو فنِ تحریر و تقریر کیساتھ ساتھ عربی ادب میں اعلیٰ مقام سے عطا فرمایا تھا۔ تصوف روحانیت اور امت کے غم میں رات دن وہ فکر مند رہتے اور انکی گہری نظر عالم اسلام کے امراض پر بھی تھی کہ عالم اسلام کس مرض میں مبتلا ہے اور آپ بیماری کو سمجھ گئے تھے کہ عالم اسلام کی بیماری مغربیت ہے۔ اور مغرب کے فلسفہ و تہذیب اور تمدن نے عالم اسلام کو تباہ و برباد کر دیا ہے یہ آپکا خاص موضوع تھا۔ کہ مغربیت کے فتنے جو مادہ پرستی وغیرہ کی شکل میں اٹھکر عالم اسلام کو تہس نہس کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر وہ مصطفیٰ کمال کی صورت میں تھے یا کسی بھی لادین کی صورت میں تو انکے مقابلے میں وہ دلائل لیکر میدان میں نکلے۔ جب عربوں پر قومیت پرستی سوار تھی' قومیت کا بہت بڑا نشہ ہوتا تھا تو مصر والے کہا کرتے تھے کہ "نحن ابناء الفراعنه" جمال عبدالناصر جیسا ڈکٹیٹر

لیڈر ہوتا یا کوئی اور اس دور میں کوئی کلمۂ حق نہیں کہہ سکتا تھا لیکن حضرتؒ میدان میں مقابلے کیلئے اترے اور قلم اور تحریر سے تمام فتنوں کی سرکوبی کی۔ تاریخ کے میدان میں آپ ایک عظیم مورخ بھی تھے۔ ابن خلدون کا جسطرح اسلام کے عروج اور زوال اور اقوام کے تنزل اور اسلام کے اصولوں پر گہری نظر تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا ندویؒ کو ان سے زیادہ نئے دور میں وسیع النظری عطا فرمائی تھی۔ قوم پرستی'مادیت'سیکولرازم مغربیت کو حضرت زہر قاتل سمجھتے تھے'وہ زہر قاتل کا تجزیہ و تشخیص اس طرح کرتے تھے کہ امت اس سے کیسے بچے۔ دوسری طرف اسلام کے رموز پر اللہ تعالیٰ نے انہیں گہری نظر عطا کی تھی۔

انہوں نے " الارکان الاربعه " کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی'اسلام کے ان چار بنیادی ارکان پر جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ جسمیں نماز'روزہ'حج'زکوٰۃ اصولِ عبادات کا قدیم وجدید مذاہب سے موازنہ کیا اور سارے فلسفے جمع کیے۔ اسکے ساتھ علماء و طلباء کو دعوت دیتے تھے کہ اپنے ان ائمہ واکابرین کی جو کہ عزیمت اور استقامت کے علمبردار تھے کہ انہی کے نقش قدم پر چلیں۔ تاریخ دعوت و عزیمت انکی کئی جلدوں پر مشتمل مستقل کتاب ہے۔ عزیمت اور دعوت اسلام مجدد اول عمر بن عبدالعزیز سے مجدد الف ثانی اور انکے بعد تک یہ ساری وہ کتابیں ہیں جن کا طلباء کیلئے مطالعہ کرنا بہت ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرتؒ علماء و طلباء کیلئے ایک بہت بڑا ذخیرہ میراث میں چھوڑ چکے ہیں۔ اور دوسرے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے انکو ایک اور بڑی عزت یہ بخشی ہے کہ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید نے ڈیڑھ سو سال پہلے انگریزوں اور سکھوں کے خلاف ایک بہت بڑا (جہاد اول) کیا تھا۔ آج اگر افغانستان یا کسی دوسرے خطہ میں جہاد جاری ہے تو یہ انہی دونوں شہداء کے جہاد کے اثرات ہیں۔ آپ طلباء کو تاریخ معلوم ہو گی کہ انہی شہداء نے یہ پہلی جنگ اسی سرزمین اکوڑہ خٹک پر لڑی تھی۔ یعنی جہاد کا آغاز اسی دارالعلوم کی مٹی پر ہوا تھا۔ آپ حضرتؒ سید احمد شہید کی اولاد میں سے اور انکے جانشین اور خاندان کے حقیقی وارث تھے۔ گویا تجدید دین کا کام اللہ تعالیٰ ان سے لینا چاہتا تھا۔ "سیرت سید احمد شہید" مولاناؒ نے تحقیقی کتاب نوعمری میں لکھی۔ گھر سے نکل کر اکوڑہ خٹک اور

گردونواح کے قصبوں کی مساجد میں راتیں تکالیف میں گزار کر عظیم شہداء کے حالات دریافت کرنے کے بعد تحریر فرمائی تھی۔ یہ آپ کی جوانی کی پہلی کتاب ہے۔

حضرتؒ ہمیں اپنے واقعات میں اکوڑہ خٹک کے گردونواح میں اپنے قیام کے بارے میں بتایا کرتے تھے اب تاریخ سید احمد شہیدؒ میں "جنگِ اکوڑہ" ایک مستقل باب ہے۔

بہر حال وہ ایک عظیم داستان ہے حضرتؒ کو علماء اور اکابرین پیار سے علی میاں کہا کرتے تھے۔ انکا خاندان ہندوستان کا بڑا علمی خاندان تھا۔ انکے والد ماجد ہندوستان کے بڑے مورخ تھے۔ حضرت مولانا عبدالحیؒ الحسنی "نزہۃ الخواطر" کی کئی جلدوں میں ہندوستان اور پاکستان کے بڑے علماء کی تاریخ وحالات مرتب کر چکے ہیں۔ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند ایک بڑا عظیم ادارہ ہے جسکا اپنا ایک انداز ہے جسکا تعلق دینی علوم اور روحانیت وغیرہ کے ساتھ ہے۔ اور دوسرا بڑا ادارہ علی گڑھ ہے جو کہ انگریزی علوم کا علم بردار ہے اسکے بعد اکابرین نے ایک ادارہ قائم کیا جسمیں دیوبند کی روح بھی موجود ہو لیکن اسمیں روحانیت کے ساتھ عربی ادب، اردو اور دیگر زبانوں میں فصاحت اور بلاغت کیساتھ اسلام کی تعبیر و تشریح بھی امت کے سامنے کی جاسکتی ہو۔ وہ ادارہ علامہ شبلی نعمانیؒ وغیرہ نے قائم کر دیا تھا۔ اور اسکو "ندوۃ العلماء" کہتے ہیں وہ ہندوستان میں تیسرا بڑا ادارہ ہے۔ ندوی جتنے بھی کہلاتے ہیں یہ ندوۃ العلماء کے مستفید حضرات ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، علامہ سید سلیمان ندوی، جسطرح حقانی حضرات کی نسبت حقانیہ کی طرف منسوب ہے۔ علی گڑھ والے فارغ التحصیل "علیگ" کہلوانا پسند کرتے ہیں اور دیوبند کے فارغ التحصیل "دیوبندی" کہلاتے ہیں۔

اسوقت ندوۃ العلماء کی سرپرستی تقریباً پچھلے چار عشروں سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی فرمار ہے تھے، وہ ندوۃ کے روح رواں تھے۔ بہر حال حضرتؒ ایک جامع الصفات شخصیت تھے بھائیو! ہم ایک طبقہ ایک برادری ہیں خاندان میں ایک چھوٹا بچہ وفات پاجائے تو پورے خاندان کو صدمہ لاحق ہوتا ہے۔ اس وقت تو خاندان کا ستون اور سردار ہم سے رخصت ہو کر اس دنیا فانی سے رحلت فرماگئے ہیں۔ عربی شاعر نے سچ کہا ہے کہ

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكعه نبيان قوم تهد ما

بھائیو! اسوقت پورے بر صغیر میں قحط الرجال ہے۔ پچھلے زمانہ میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم اور محبوب شخصیات ہوتی تھیں۔ جو خلاء کو پر کر دیا کرتی تھیں۔ لیکن اب وہ صورت حال نہیں ہے۔ افراد کار ختم ہو چکے ہیں۔ حضرت علی میاںؒ کی وفات حسرتِ حیات ساری ملت کیلئے ایک بڑا سانحہ ہے اور ایک علمی خاندان کے لحاظ سے ہمارا فرض ہے کہ ہم حضرتؒ کے لئے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں عظیم درجات اور اعلیٰ مقامات پر فائز فرمائے۔ انہوں نے ملت کے لئے سینکڑوں کتابوں کا صدقہ جاریہ چھوڑ رکھا ہے جو آخرت میں انکے کام آئے گا۔

حضرتؒ کا ہمارے ساتھ ہمیشہ محبت اور شفقت کا برتاؤ رہا۔ تیس چالیس برسوں سے انکا الحق کی مناسبت سے خصوصاً میرے ساتھ قلبی اور قلمی تعلق و سرپرستی کا رشتہ رہا۔ اس لحاظ سے ہم ایک مشفق سرپرست سے محروم ہو گئے۔ ایک مرتبہ ہم انہیں دارالعلوم کا دورہ کرنے لے آئے تھے' وہ نہایت بیمار اور کمزور تھے لیکن ضعف کی حالت میں بھی انہوں نے ہماری تمنا پوری فرمائی۔ اپنے اسی دورے کے موقع پر قدیم دارالحدیث کی دوسری منزل پر احاطہ اسماعیلیہ اور احاطہ سید احمد شہید کے سنگ بنیاد حضرتؒ نے اپنے دست مبارک سے رکھے تھے۔

عزیز طلبا! آپکو اس تعزیتی جلسہ سے اتنا پتہ چل چکا ہے کہ حضرتؒ اس صدی کی ایک عظیم ہستی تھیں۔ اور وہ اب ہم میں نہ رہے لیکن وہ کون تھے انکے علوم کیا تھے یہ تجسّس اپنے ذہنوں میں ضرور رکھیں۔ تاکہ انکی تصانیف آپ مستقل پڑھتے رہیں۔ انکے علوم کی سب سے بڑی سہولت یہ ہے کہ وہ فصیح و بلیغ انگریزی' فرانسیسی' فارسی' عربی اور ترکی میں منتقل ہو چکے ہیں۔ انکا کلامِ فلسفہ اصول و ہدایات پر مبنی دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ پھیلانا چاہتے تھے۔

آخر میں آپ سب اس ختم قرآن پاک کا ایصال ثواب حضرتؒ کی روح پر اور اپنے اساتذہ کرام اور اکابرین پر ضرور بھیجیں۔ اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ملت کے اس غمخوار و غمگسار اپنے بندے کے درجات بلند فرمائے اور بہترین مقامات قرب وارض پر فائز فرمادے اور ہم سب کو اسکے مشن پر چلنے اور آگے بڑھانے کی توفیق دے۔ و اخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمین۔